35

ربوہ میں مزید عارضی مکانات نہ بنائے جائیں
موجودہ مکانات سے حتی الوسع فائدہ اُٹھایا جائے

(فرمودہ 21/اکتوبر 1949ء بمقام ربوہ)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

''آج کا خطبہ میں یہاں کی لوکل جماعت کے متعلق دینا چاہتا ہوں۔ آج مجھے ناظر صاحب اعلیٰ کا ایک خط ملا ہے جس میں انہوں نے لکھا ہے کہ یہاں مقامی ضرورتوں کے لیے ابھی 100 کے قریب اَور مکانات کی ضرورت ہے۔ جس کے معنے یہ ہیں کہ عارضی مکانات کے لیے قریباً پچاس ہزار روپیہ اَور چاہیے تب کہیں مقامی ضروریات پوری ہوں گی۔ اِس وقت تک عارضی عمارات پر ایک لاکھ بلکہ اس سے بھی زیادہ روپیہ خرچ ہو چکا ہے مگر اِس کے یہ معنے نہیں کہ صرف یہی رقم عارضی مکانات پر لگی ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان مکانات پر پونے دو لاکھ روپیہ لگ چکا ہے۔ چونکہ جب ہم حساب کرتے ہیں تو صرف ان اخراجات کو شمار میں لاتے ہیں جن سے بعد میں کوئی فائدہ نہ اُٹھایا جا سکے۔ اِس طرح جب ہم ایک لاکھ کہتے ہیں تو اس میں لکڑی کو شامل نہیں کرتے۔ کیونکہ ہم سمجھتے ہیں کہ وہ لکڑی آئندہ تیار کی جانے والی مستقل عمارتوں پر لگ جائے گی۔ اس طرح ہم ایک لاکھ میں

لوہے کو بھی شامل نہیں کرتے کیونکہ اس کے متعلق بھی ہم یہ سمجھتے ہیں کہ وہ دوبارہ استعمال میں آ جائے گا۔ غرض اخراجات کا اندازہ کرتے وقت ہم اُن چیزوں کو شمار میں لاتے ہیں جو دوبارہ کام نہیں آ سکتیں اور وہ مزدوری اور کچی اینٹیں ہیں۔ کچی اینٹوں سے کچھ رقم واپس آئے گی جو عمارت کے خرچ کا 1/4 حصہ کے قریب ہوگی، نلکے وغیرہ جو لگے ہیں یا جو اخراجات ایسے ہوئے ہیں اُنہیں اگر ملا لیا جائے تو دو لاکھ روپیہ لگ چکا ہے۔ لیکن جیسا کہ میں نے بتایا ہے اس میں سے اکثر حصہ ضائع چلا جائے گا۔ درحقیقت جس طرح یہ بات غیر معمولی ہے کہ فسادات کے بعد ایک قوم ایک جگہ پر بس گئی ہو اِسی طرح یہ بھی غیر معمولی چیز ہے کہ چند ماہ کی رہائش کے لیے کسی قوم نے اِس قدر روپیہ خرچ کیا ہو۔ ہمارا خیال تھا کہ شروع شروع میں چند مکانات عارضی طور پر بنا لیں گے اور پھر پورا زور لگا کر مستقل کام کو شروع کر دیں گے لیکن یہ اندازہ غلط نکلا اور کام لمبا ہو گیا۔ اب اِس جگہ پر میونسپل کمیٹی بن چکی ہے اور 26 راکتوبر کو اِس کے لیے قواعد بنائے جائیں گے۔ قواعد مرتب ہو جانے کے بعد ہی مستقل مکانات بنائے جا سکتے ہیں۔ اور اس کے لیے یہ قاعدہ ہے کہ جو قواعد پاس کیے جائیں گے اُن کے لیے ایک ماہ کا اعلان ضروری ہوگا تا مقامی پبلک کو اگر کوئی اعتراض ہو تو انہیں موقع مل جائے۔ اس کے بعد کاغذات ڈپٹی کمشنر کے پاس جائیں گے۔ پھر ڈپٹی کمشنر، کمشنر کے پاس بھیجے گا۔ پھر کاغذات اس محکمہ کے سیکرٹری کے پاس جائیں گے۔ وہ منظوری دے کر انہیں پھر کمشنر کے پاس بھیجے گا۔ وہاں سے ڈپٹی کمشنر کے پاس آئیں گے۔ اِسی طرح وہ گزٹ میں شائع کیے جائیں گے۔ اس کے بعد میونسپل کمیٹی ان قواعد کے مطابق جو نقشے ہوں گے انہیں منظور کرے گی۔ اب اگر 26 راکتوبر کو وہ قانون پاس ہو جائیں تو اعتراضات کے لیے 26 نومبر تک کا عرصہ ضروری ہوگا۔ یہاں تو پبلک ساری اپنی ہے اس لیے اعتراض کرنے کی کوئی صورت ہی نہیں لیکن پھر بھی قانون کا پورا ہونا ضروری ہے اور اس کے بغیر کمیٹی کوئی قدم نہیں اُٹھا سکتی۔ پھر کاغذات ڈپٹی کمشنر اور کمشنر کے پاس جائیں گے۔ اس طرح اس پر بھی ایک لمبا وقت لگ جائے گا۔ پس خدا تعالیٰ چاہے تو دسمبر یا جنوری میں مستقل عمارتوں کا کام شروع ہو سکے گا۔ بہرحال جس چیز کا ہمیں پہلے کوئی علم نہیں تھا کہ کب ہوگی وہ ایک معیّن صورت میں آ گئی ہے۔ قواعد کے مرتب ہو جانے کے بعد دو اڑھائی ماہ کے اندر مستقل تعمیر کے شروع ہو جانے کا امکان ہے۔ اور اگر اس عرصہ میں مستقل تعمیر شروع ہو گئی تو مستقل عمارتوں میں سے ایک حصہ کا تین چار ماہ میں تیار

ہو جانا ممکن ہے اور اس عرصہ کے لیے عارضی مکانات پر مزید پچاس ہزار روپیہ خرچ کرنے کے معنے یہ ہیں کہ چار ماہ کے لیے بارہ ہزار روپیہ ماہوار کا خرچ برداشت کیا جائے اور ظاہر ہے کہ جماعت کی اس مالی کمزوری کے وقت جبکہ ماہوار تنخواہیں بھی قرض لے کر ادا کی جاتی ہیں چار ماہ کے عرصہ کے لیے اس قدر زیادہ اخراجات کا برداشت کرنا خلافِ عقل ہے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس سے بعض لوگوں کو تکلیف ہوگی لیکن اسے دور کرنے کے لیے ہم اس قدر خرچ بھی برداشت نہیں کر سکتے۔ آئندہ وقت کے لیے انسان ہمیشہ قیاس ہی کرتا ہے۔ ہم نے بھی یہ قیاس کر لیا تھا کہ عارضی مکانات تھوڑے بنیں گے اور مستقل عمارات دیر سے بنیں گی لیکن ہمارا یہ اندازہ غلط نکلا۔ پھر منظوریاں دیتے وقت ہم نے یہ نہیں سمجھا کہ یہ منظوریاں ہمیں کہاں پہنچا دیں گی۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمایا کرتے تھے کہ جنّ اور راج دونوں ایک ہی قسم کے ہوتے ہیں۔ جس طرح بقول جہّال جنّ گھر سے نہیں نکلتا اِسی طرح راج بھی گھر سے نہیں نکلتا۔ پھر یہاں تو ہم نے صرف ایک گھر نہیں بنانا ایک شہر آباد کرنا ہے۔ یہاں تو راج جنّوں کا بھی بادشاہ بن جائے گا۔ دراصل جب بھی کسی چیز کا اندازہ کیا جاتا ہے اور اس اندازہ کے بعد کام کو شروع کیا جاتا ہے تو مزید مطالبات کی ایک فہرست آ جاتی ہے اور جس چیز کے متعلق ایک ہزار کا اندازہ کیا جاتا ہے مزید مطالبات کی وجہ سے وہ اندازہ ڈیڑھ دو ہزار تک جا پہنچتا ہے۔ مثلاً ہم سمجھتے ہیں کہ فلاں کام کے لیے اتنے مکانوں کی ضرورت ہوگی اور ان پر دو ہزار خرچ آئے گا۔ ہم ان کو مکان سمجھ کر منظوری دے دیتے ہیں لیکن دو ماہ کے بعد ایک اَور مطالبہ آ جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ وہ تو صرف کمروں کا اندازہ تھا۔ آخر رہنے والوں نے پردہ میں رہنا ہے اس لیے پردہ کی ضرورت ہے اور ان پر بھی اتنے سَو روپیہ خرچ ہوگا۔ ہمیں وہ مطالبہ منظور کرنا ہی پڑتا ہے۔ پھر رپورٹ آ جاتی ہے کہ کمروں اور پردوں کے علاوہ باورچی خانوں اور پاخانوں کی بھی ضرورت ہوگی۔ پہلے خرچ کی منظوری دینے کے بعد ہم مجبور ہوتے ہیں کہ اس مطالبہ کو بھی منظور کریں ورنہ سب خرچ ضائع ہو جاتا ہے۔ انجنیئر حکومتوں سے بھی اِسی طرح کیا کرتے ہیں۔ جوگندر نگر کی بجلی کی سکیم پانچ کروڑ کے اندازہ سے شروع ہوئی تھی اور اٹھارہ کروڑ پر جا کر ختم ہوئی۔ چنانچہ جب میں پچھلی دفعہ ربوہ آیا ہوں اور اخراجات کی ساری فہرست پیش ہوئی تو معلوم ہوا کہ پچاس ہزار روپیہ خرچ ہو چکا ہے بلکہ بیت المال کا یہ دعوٰی ہے کہ انہوں نے ساٹھ ہزار روپیہ انجمن کی عمارتوں

پر خرچ کیا ہے۔ رہائشی مکانات انجمن کی عمارتوں کے علاوہ ہیں۔ گویا ڈیڑھ لاکھ روپیہ ان عارضی مکانات پر لگ گیا۔ پھر یہ مکانات ریلوے کے احاطہ میں بنائے گئے ہیں۔ اگر یہ مکانات ریلوے کے احاطہ میں نہ بنائے جاتے تو ہم کہہ سکتے تھے کہ آٹھ دس سال تک غرباء ان میں گزارہ کر لیں گے۔ اس کے بعد وہ اَور مکان بنالیں گے لیکن یہاں یہ بات بھی نہیں۔ جس دن اسٹیشن بنا یہ مکانات گرانے پڑیں گے۔ غرض ان مکانات کے لیے جگہ بھی غلط چُنی گئی ہے۔ اس جگہ عارضی مکانات بنانے میں منتظمین نے یہ فائدہ سوچا تھا کہ جو گڑھے پڑیں گے یہاں پڑیں گے لیکن جب یہ جگہ اسٹیشن کے لیے دی جائے گی تو گڑھے بھرنے پڑیں گے ورنہ گورنمنٹ قانون کے زور سے ہمیں اس پر مجبور کرے گی۔ پس وہ بات جس کو فائدہ مند سمجھا گیا نقصان دِہ ثابت ہوئی۔ اگر یہ مکانات کسی دوسری جگہ بنتے تو دس بارہ سال ان سے فائدہ اُٹھایا جا سکتا تھا لیکن اب سال ڈیڑھ سال میں یہ سب گرانے پڑیں گے۔ ان حالات میں مزید یکصد عارضی مکانات کے اخراجات کا بوجھ اُٹھانا یقیناً خلافِ عقل ہے۔ اگر پہلے مکان گرائے جاتے اور ان پر جو روپیہ خرچ ہوا ہے وہ واپس مل جاتا تو میں کہتا ایسے مکانات بھی گرادو لیکن چونکہ روپیہ واپس نہیں ملے گا اس لیے وہ مکانات اب نہیں گرائے جا سکتے۔ اس لیے فیصلہ یہ کیا گیا ہے کہ آئندہ عارضی مکانات بنانے بند کیے جائیں۔ جب مستقل دفاتر بننے شروع ہو جائیں گے تو دفاتر اُدھر چلے جائیں گے اور یہ عمارتیں رہائش کے لیے استعمال کر لی جائیں گی اور اگر مناسب سمجھا گیا تو لوگ دفاتر کی مستقل عمارتوں میں بس جائیں گے۔ اِسی طرح اَور بھی کئی مکانات ہوں گے جو استعمال میں آسکیں گے۔ مثلاً میری تجویز یہ ہے کہ میں اپنا ذاتی مکان جلد بنوالوں اور جب میرا اپنا مکان بن جائے گا تو موجودہ مکان خالی ہو جائے گا۔ جب مستقل تعمیر شروع کرنے کی اجازت مل گئی اور اینٹیں کافی تعداد میں مل گئیں تو بہت جلد کچھ مستقل عمارتیں بن جائیں گی جن سے فائدہ اٹھایا جا سکے گا۔ کہا جاتا ہے کہ اب قریباً پچاس ہزار اینٹ روزانہ تیار ہوتی ہے۔ مجھے تو اس کے آثار نظر نہیں آتے لیکن اگر پچاس ہزار اینٹیں روزانہ بنتی ہوں تو مکانات بہت جلد تیار کیے جا سکتے ہیں۔

پس ایک تو میں دوستوں کو اس حقیقت سے واقف کرانا چاہتا ہوں کہ مزید عارضی مکانات کے بنانے کی منظوری دینے کے لیے میں تیار نہیں۔ موجودہ مکانات سے جتنا فائدہ اُٹھایا جائے اُٹھایا جائے۔ یا احمد نگر اور چنیوٹ میں کارکنوں کو ٹھہرایا جائے۔ موجودہ حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے

مزید مکانات بنانا عقل کے خلاف ہے بلکہ اب تک جو کچھ ہوا ہے وہ بھی اب دل پر گراں گزر رہا ہے۔ گو اس کے بغیر چارہ بھی کوئی نہ تھا۔ پس ان حالات میں نظارتوں اور تحریک جدید کو چاہیے کہ وہ انہی مکانات سے فائدہ اُٹھائیں۔ ہاں ایک خرچ ہم کو کرنا ہی پڑے گا اور وہ یہ کہ جلسہ کے لیے ہمیں بیرکیں تیار کرنی پڑیں گی۔ جلسہ کے لیے یہ خرچ ہمیں بہرحال کرنا ہوگا۔ ان بیرکوں پر پندرہ بیس ہزار روپیہ خرچ آ جائے گا۔ ان بیرکوں میں دروازے نہیں لگائے جائیں گے۔ گھاس کی چھت اور دروازوں پر چٹائیوں کے پردے ہوں گے۔ ایک اینٹ کی دیوار چھ اور سات فٹ اونچی ہوگی۔ جب یہ بیرکیں تیار ہوں جلسہ تک عملہ ان میں رہ سکتا ہے اور جلسہ کے بعد پھر ان میں جا سکتا ہے۔ یہ ایسا خرچ ہے کہ اس کے بغیر چارہ نہیں اور اس خرچ سے عملہ بھی فائدہ اُٹھا سکتا ہے۔ کہا جا سکتا ہے کہ پہلے مکان کیوں بنے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حالات کے لحاظ سے فیصلے بدلتے جاتے ہیں۔ شروع میں ہم کو یہ خیال تھا کہ نہ معلوم کب تک جماعت بکھری رہے۔ اس لیے عارضی مکانات شروع کر دیئے تا کہ جلد جلاوطنی کا زمانہ ختم ہو۔ پھر اُس وقت اِس مالی ابتلاء کا علم نہ تھا جو اَب سامنے آ رہا ہے۔ لیکن اب چونکہ مستقل عمارتیں بننے کا زمانہ قریب آ رہا ہے اور مالی تنگی بڑھ گئی ہے اس لیے اب فیصلہ کے خلاف یہ فیصلہ کرنا پڑا ہے کہ آئندہ عمارات بند کی جائیں۔ ذاتی امور میں بھی اسی طرح فیصلے بدلتے رہتے ہیں۔ ایک وقت میں انسان کے پاس روپیہ ہوتا ہے، ایک دو بچے ہوتے ہیں وہ انہیں تعلیم دلوا لیتا ہے لیکن دوسرے وقت میں روپیہ پاس نہیں ہوتا اور وہ باقی بچوں کو تعلیم نہیں دِلوا سکتا۔ ابھی حال کا ذکر ہے میرے اپنے ایک لڑکے نے کہا میں انگریزی پڑھوں گا۔ انگریزی پڑھنے کے بعد بھی تو دینی خدمت ہو سکتی ہے۔ میں نے کہا میرے خیال میں عربی پڑھ کر ہی دینی خدمت ہو سکتی ہے۔ اس نے کہا پھر فلاں فلاں بھائی کو انگریزی تعلیم آپ نے کیوں دِلوائی ہے؟ میں نے کہا اُس وقت ہمارے پاس قادیان کی جائداد تھی اور میں خیال کرتا تھا کہ اگر یہ انگریزی تعلیم حاصل کرلیں گے تو کوئی حرج نہیں بعد میں انہیں دینی تعلیم دِلوائی جا سکتی ہے۔ لمبے وقت تک تعلیم دِلوانے میں جو بوجھ پڑتا ہے وہ محسوس نہیں ہوتا تھا لیکن اب حالات اَور ہیں۔ اب میں یہ بوجھ نہیں برداشت کر سکتا۔ اس لیے مجھے اپنا پہلا طریقہ بدلنا پڑا ہے۔ یہ تو خرچ کے گھٹانے کے بارہ میں ایک مضمون ہے۔

اب میں دوسری بات شروع کرتا ہوں جو کسی قدر خرچ بڑھانے کے متعلق ہے

لیکن اس کے بغیر ہمارے لیے کوئی چارہ نہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ یہاں بہت سے لڑکے ایسے ہیں جن کی عمر تیرہ تیرہ چودہ چودہ سال کی ہے۔ ان کی تعلیم تھوڑی ہے۔ قادیان سے آنے کے بعد پڑھائی کا انتظام نہ ہوسکا اس لیے گزشتہ دو سال ان کے آوارگی میں گزر گئے۔ اگر وہ قادیان ہوتے تو شاید وہ تعلیم میں آگے نکل جاتے لیکن قادیان سے آنے کے بعد وہ تعلیم کو جاری نہ رکھ سکے۔ جو لڑکا قادیان میں دوسری جماعت میں پڑھتا تھا اس کی تعلیم اب بھی دوسری تک ہے لیکن اس کی عمر چوتھی جماعت والی ہے۔ جو لڑکا تیسری جماعت میں پڑھتا تھا اس کی تعلیم اب بھی تیسری جماعت تک ہے لیکن اس کی عمر پانچویں جماعت والی ہے۔ اسی طرح جو لڑکا چوتھی جماعت میں تعلیم حاصل کرتا تھا اس کی تعلیم چوتھی جماعت تک ہی ہے۔ لیکن اس کی عمر چھٹی جماعت والی ہے۔ چھوٹے بچوں کی تعلیم کے لیے تو یہ انتظام کر دیا گیا تھا کہ وہ زنانہ سکول میں داخل ہو جائیں لیکن جو بڑے تھے وہ اس موقع سے بھی فائدہ نہ اٹھا سکے اور مزید تعلیم حاصل کرنے سے محروم رہے۔ انہیں استانیوں نے لڑکیوں میں بیٹھنے کی اجازت نہ دی۔ آگے کچھ فطرت کی ستم ظریفی دیکھو! فطرتی قانون کے ماتحت بعض لڑکوں کا قد بڑا ہو جاتا ہے اور بعض کا چھوٹا۔ اس لیے بعض لڑکے جو زنانہ سکول میں داخل کر لیے گئے ہیں قد چھوٹا ہونے کی وجہ سے اُن کی عمر 8، 9 سال کی سمجھ لی گئی حالانکہ ان کی عمر 12، 13 سال کی تھی۔ اور جو داخل نہیں کیے گئے قد لمبا ہونے کی وجہ سے ان کی عمر 12، 13 سال کی سمجھ لی گئی حالانکہ وہ آٹھ نو سال کے تھے۔ گویا ایک لڑکا جس کا قد بڑا ہے عمر چھوٹی ہے اسے تو سکول میں داخل نہیں کیا گیا اور جس کا قد چھوٹا ہے لیکن عمر بڑی ہے اسے چھوٹی عمر کا سمجھ کر داخل کر لیا گیا ہے۔

میر محمد اسحاق صاحب کے گھر میں ایک کشمیری لڑکا نوکر ہوا کرتا تھا۔ اُس کا قد چھوٹا تھا، اس کی شکل سے بھی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ ابھی بارہ تیرہ سال کی عمر کا ہے لیکن وہ بونا تھا اور ساتھ ہی بغیر داڑھی مونچھ کے۔ یہ ایک طبعی نقص بھی تھا۔ وہ چونکہ میر صاحب کے گھر میں دیر سے رہتا تھا گھر کا پالتو بچہ سمجھ کر اُس سے دیر تک پردہ نہ کیا گیا۔ میں نے جب اسے دیکھا تو سمجھا کہ اس کی عمر زیادہ ہے لیکن میں بھی یہی سمجھتا تھا کہ وہ پندرہ سولہ سال کا ہوگا اس لیے میں نے اپنی دونوں بیویوں سے (اُس وقت دو ہی بیویاں تھیں) کہا کہ وہ اس سے پردہ کیا کریں۔ انہوں نے کہا کہ یہ لڑکا میر صاحب کے گھر میں رہنے کی وجہ سے گھر میں آتا ہے اور میر صاحب کے گھر کے لوگوں اور حضرت اماں جان کے پاس

آتا ہے۔ہم ہر وقت کہاں اُٹھ کر جائیں۔ میں نے کہا مجھے یہ بونا معلوم دیتا ہے،اس کی عمر ضرور پندرہ سولہ سال کی ہوگی اس لیے اس سے پردہ کرنا چاہیے۔اس کے بعد ہم کشمیر گئے تو وہاں اس لڑکے کے ہم وطن لوگ جو اُس کی عمر سے واقف تھے کہنے لگے کہ یہ لڑکا تو پچیس چھبیس سال کا ہے یہ گھر میں کیوں جاتا ہے؟ میں بھی اس کی بڑی عمر کے متعلق تو شک میں تھا مگر اتنی عمر میرے بھی وہم وگمان میں نہ تھی۔مگر بہر حال میں نے گھر کے لوگوں سے ذکر کیا جس پر اکثر نے شک کیا۔مگر ایک دن کشمیری دوست اُس کے چھوٹے بھائی کو لے آئے جو قد وقامت میں بھی اچھا تھا اور شادی شدہ تھا اور اس کے دو بچے تھے۔ جب وہ بھائی آیا تو سب کو ماننا پڑا کہ یہ صاحبزادے جو بارہ تیرہ سال کے بن کر گھر میں آیا جایا کرتے تھے وہ دراصل بونے تھے اور بے رِیش وبرُوت 1 تھے۔ ورنہ عمر بڑی تھی۔ غالباً وہ اگر اب زندہ ہے تو اُس کی عمر گو پچاس سے زائد ہوگی مگر اب بھی وہ لڑکا ہی معلوم ہوتا ہوگا کیونکہ نہ اس کے داڑھی نکلی ہوگی اور نہ وہ بڑھا ہوگا۔

غرض بعض لڑکے زنانہ سکول میں داخل کر لیے گئے اور بعض کو داخل نہیں کیا گیا۔جنہیں داخل نہیں کیا گیا ان کی طرف سے یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ ان سے بڑی عمر والوں کو داخل کر لیا گیا ہے انہیں داخل نہیں کیا گیا لیکن ہم کیا کر سکتے ہیں۔جن کو استانیوں نے چھوٹی عمر کا سمجھا انہیں داخل کر لیا اور جنہیں بڑی عمر کا سمجھا انہیں داخل نہ کیا۔اس کا کوئی علاج ہمارے پاس نہیں۔مگر اس فعل کا نتیجہ یہ ضرور نکلتا ہے کہ بہت سے لڑکے آوارہ پھر رہے ہیں۔لیکن جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ربوہ میں یہ قانون بنایا گیا ہے کہ یہاں کسی آوارہ گرد کو نہیں رہنے دیا جائے گا۔تو اس بات کا یہ نتیجہ نکلے گا کہ ربوہ کی تمام موجودہ آبادی کو نکالنا پڑے گا۔اس لیے نظارت تعلیم و تربیت کو چاہیے کہ وہ یہاں فوراً لوئر پرائمری تک کا ایک سکول کھول دے۔اگر وہ کہیں کہ یہ سکول کس عمارت میں کھولا جائے؟ تو یہی مسجد سکول ہے۔ہم نے تیرہ سَو سال تک مسجدوں میں ہی پڑھا ہے۔اِسی جگہ مدرسہ بنالو۔لڑکے امتحان چنیوٹ میں دے آیا کریں گے۔اس سکول کے لیے دو مدرّس خواہ وہ بڈھے ہی کیوں نہ ہوں رکھ لیے جائیں۔ پرانے وقتوں میں سکول میں استانی یا استاد ایک ہی ہوا کرتا تھا اور باقی اس کے خلیفے ہوا کرتے تھے۔ کلاس میں جو لڑکی یا لڑکا زیادہ ہوشیار ہوتا وہ استانی یا استاد اسے پڑھاتے۔ پھر وہ آگے دوسرے ساتھیوں کو پڑھاتا۔ میں جب حضرت اماں جان کے ساتھ بچپن میں دہلی گیا تو مجھے ایک سکول میں

داخل کیا گیا تھا۔ وہ ایک استانی کا اسکول تھا۔ استانی ایک تھی لڑکیاں لڑکے زیادہ تھے اور کلاسیں بھی ایک سے زیادہ تھیں۔ وہ بھی ایسا ہی کیا کرتی تھی۔ ایک دو ہوشیار طالبعلموں کو پڑھا دیتیں اور پھر انہیں کلاس میں اپنا خلیفہ مقرر کر دیتیں۔ دوسروں کو سبق دینے سے بھی علم بڑھتا ہے۔ اگر یہاں لڑکوں کا اسکول کھل جائے گا تو وہ آوارگی سے بچ جائیں گے۔ انہیں کچھ وقت یہاں بیٹھنا پڑے گا۔ پھر سبق بھی یاد کرنا پڑے گا۔ اس طرح وہ بیکار نہیں رہیں گے۔ پس چار جماعتوں تک ایک اسکول فوراً بنالیا جائے اور اگر استاد مل جائیں تو پانچویں جماعت کے لڑکے بھی یہیں پڑھیں ورنہ بڑی عمر کے بچے چنیوٹ بھی جا سکتے ہیں۔ اگر مستقل تعمیر کی جلد اجازت مل جائے تو ہماری کوشش یہی ہوگی کہ ہائی سکول کو جلد یہاں منتقل کر دیا جائے مگر لڑکوں کی جان زیادہ قیمتی ہے۔ سکول منتقل ہونے میں بہر حال کچھ دیر لگے گی۔ اس لیے پانچ چھ ماہ بھی ضائع نہیں کیے جا سکتے۔ پس خواہ استاد بڈھے ہی ملیں فوراً ایک دو استاد مقرر کر کے سکول شروع کر دیا جائے۔ وہ کم از کم لڑکوں کو یہاں بٹھائے تو رکھیں گے۔ دفتر کے کلرک یا دوسرے کارکن بھی کچھ وقت نکال کر لڑکوں کو سبق دے جایا کریں۔ استادوں سے غرض یہ ہوگی کہ لڑکے یہاں بیٹھے رہیں۔ بیشک ان میں قابلیت نہ ہو کوئی حرج نہیں۔

یہ دونوں تجویزیں مقامی جماعت کے لیے ہیں جو میں نے اِس وقت آپ لوگوں کے سامنے رکھی ہیں۔ ان میں سے ایک پر فوری عمل ہونا چاہیے اور دوسری کے متعلق اپنے بھائیوں کو سمجھانا چاہیے کہ ابھی کچھ دن اَور نصیحت اور تعاون کی ضرورت ہے''۔

(الفضل 27 ؍اکتوبر 1949ء)

1 : **بے رِیش و بُرُوت**: بغیر داڑھی مونچھ (اردو لغت تاریخی اصول پر۔ جلد 10 صفحہ 986 مطبوعہ کراچی 1990ء)